بستیِ دین پور کا ایک دُرِّ شہوار

مولانا محمد یاسر عبداللہ

کتب خانہ جامعہ بنوری ٹاؤن

۱۸ربیع الاول ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳۱رجنوری ۲۰۱۳ء کی صبح پَو پھٹنے سے کچھ دیر قبل رات کے آخری پہر ایک دین دار خاتون نے خواب دیکھا کہ سورج اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ افق پر فروزاں ہے اور خلقِ خدا اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہے، اچانک سورج دن دَہاڑے غروب ہوگیا اور دنیا گھٹا ٹوپ اندھیروں کی وادی میں چلی گئی۔ خاتون نے اتنا ہی دیکھا تھا کہ فجر کی اذان کی آواز کے ساتھ گھبرا کر آنکھ کھلی اور وہ رونے لگی، اپنے گھر والوں کو جگا کر اُنہیں خواب سنایا اور تعبیر یہ لی کہ کسی بڑے عالم کی شہادت ہونے لگی ہے، خدا خیر کرے!۔

اسی روز دوپہر کو نصف النہار کی تھوڑی دیر بعد استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد عبدالمجید دین پوری اور حضرت مولانا مفتی صالح محمد کاروڑی رحمہما اللہ اپنے مخلص خادم حسان علی شاہ رحمہ اللہ کے ساتھ ظالم وقاسی القلب انسان نما درندوں کے ہاتھوں شہادت کے عظیم رتبہ پر فائز ہوگئے۔ فإناللّٰہ وإناإلیہ راجعون۔

بندہ نے یہ خواب استاذِ محترم مولانا محمد عادل صاحب دامت برکاتہم سے سنا، اور ان تک محض ایک قریبی عزیز خاتون کے واسطہ سے پہنچا ہے۔ بلاشبہ اہلِ علم کی مثال سورج کی سی ہوتی ہے، جس سے تمام جہاں روشن اور ساری مخلوق فیض یاب ہوتی ہے۔ حضرت دین پوری شہید رحمہ اللہ علم وعمل کے آفتاب ہی تو تھے، جن کے ذریعے عوام وخواص راہ یاب ہورہے تھے۔ اور الحمدللہ! ان کی شہادت سے یہ سلسلہ رکا نہیں، بلکہ چراغ سے چراغ جل رہا ہے، ان شاء اللہ! تا قیامت یوں ہی شمعیں فروزاں رہیں گی، ان کا فیض جاری رہے گا، اور وہ اپنی آرام گاہ میں اس کا اجر وثواب سمیٹتے رہیں گے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ بستی دین پور کے ایک عظیم سپوت تھے، جو تقریباً گزشتہ ڈیڑھ صدی سے علماء ومشائخ اور بندگانِ خدا کا مرکزِ توجہ رہی ہے، ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۶ء میں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمہ اللہ (۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء) کے دستِ اقدس سے قائم ہونے والی یہ بستی ظاہری اور باطنی علوم

کا ایک مرکز اور مذہب اور سیاست کے حسین امتزاج سے آراستہ ایک مثالی اسلامی معاشرہ کا نمونہ تھی، ایک سادہ سی مسجد اور نیم پختہ مکانات پر مشتمل چھوٹا سا گاؤں، جس کی مجموعی آبادی چند سینکڑوں سے متجاوز نہ تھی، حضرت خلیفہ صاحب رحمہ اللہ، ان کے خلفاء اور نسبی اور روحانی اولاد کی برکت سے اس کا آوازہ چاردانگ عالم میں گونج اٹھا اور بجا طور پر ''دین پور'' کہلانے کا مستحق ٹھہرا، اس بستی کے مشائخ کے ہاتھوں ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں میں انقلاب آیا، زندگیاں بدلیں، بدعات ورسومات کے بادل چھٹے اور راہِ سنت نکھر کر سامنے آئی۔ بستی کے بانی حضرت خلیفہ غلام محمد رحمہ اللہ، ہمارے استاذِ محترم شہید رحمہ اللہ کے نانا مولانا عبدالمنان رحمہ اللہ کے نانا تھے، اوران اکابر کے علمی، عملی اور روحانی فیوض سے خاندان میں دین داری وپرہیز گاری موروثی چیز کی طرح قائم تھی۔ حضرت شہید رحمہ اللہ ان ہی خدا شناس بزرگوں میں پلے بڑھے اور ابتدائی تعلیم وتربیت پائی، پھر محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور مولانا ادریس میرٹھی رحمہم اللہ جیسے اساطینِ علم سے رسمی طلبِ علمی کی تکمیل فرمائی اور خصوصاً فقہ وفتاویٰ میں مہارت حاصل کی۔ یوں تعلیم وتربیت دونوں پہلوؤں سے اپنے وقت کے اکابر علما ومشائخ سے استفادہ اور استفاضہ کا موقع ملا، جو علمی میدان میں بلندیوں تک رسائی کے لئے خشتِ اول ثابت ہوا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ظاہری اور باطنی کمالات کے حامل تھے، اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ وطہارت زندگی کا حصہ تھی اور تواضع وفروتنی ان کی اداؤں سے پھوٹتی تھی۔ گزشتہ سال ختمِ بخاری شریف کے موقع پر اپنے مختصر نصائح آمیز بیان کے دوران نم ناک آنکھوں اور لڑکھڑاتی آواز کے ساتھ فرمانے لگے: ''یہ قیامت کی علامات میں سے ہے کہ مجھ جیسا کم علم مسندِ حدیث پر بیٹھ کر علمِ حدیث پڑھانے کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔'' یہ بات کہتے ہوئے تصنع اور تکلف کا کوئی اثر محسوس نہ ہوتا تھا اور اہلِ مجلس کے دل ودماغ ان کی قلبی کیفیت سے متاثر تھے۔ یہی تواضع ان کے حال وچال سے ٹپکتی تھی، سلام کرتے تو انداز ایسا ہوتا کہ گویا کوئی طالب علم اپنے استاذ سے سلام کررہا ہے۔ لباس وپوشاک میں سادگی اور عادت واطوار میں بے تکلفی تھی، عمامہ کا اہتمام فرماتے تھے، لیکن اتباعِ سنت کے خیال سے سادہ انداز اختیار فرماتے تھے، ایک بار دارالافتاء میں ایک عالم تشریف لائے، ان سے گفتگو کے درمیان حضرت شہید رحمہ اللہ عمامہ باندھنے لگے، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ یہ عمامہ کیسے باندھ رہے ہیں؟ مجھے اجازت دیجئے، میں باندھ دیتا ہوں، فرمانے لگے کہ: ''بھئی! سنت اس سے بھی ادا ہوجاتی ہے''۔ اس موقع پر بندہ کے استفسار پر فرمایا کہ ''عمامہ باندھنے کا کوئی مخصوص طریقہ سنت نہیں''۔ آج کل اس سنت کی ادائیگی میں عموماً تکلفات کا جو رخ چل پڑا ہے، اس کے پیش نظر استاذِ محترم کے اس طرزِ عمل میں ہم سب کے لئے خاموش درس ہے۔ نماز باجماعت کا اہتمام اور ادعیہ واذکار کی پابندی معمولات کا حصہ تھی۔ دارالافتاء میں تشریف فرما ہوتے تب بھی فتاویٰ کی تصحیح وتصدیق سے فارغ اوقات ذکر وفکر سے معمور رہتے۔ باوضو رہنے کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ سہ پہر کو تخصص فی الفقہ کے طلبہ

کو سبق پڑھانے کے لئے تشریف لانے سے قبل جامعہ کی مسجد کے وضوخانے میں وضوفرماتے، پھر درس گاہ تشریف لے جاتے، بندہ نے ان گنت بار یہی معمول دیکھا، معمولات کی پابندی ان کے شب وروز میں نظر آتی۔ پورا دن مختلف علمی سرگرمیوں میں گزرتا اور رات کو دیر تک فتاویٰ کی تصحیح میں مشغول رہتے تھے۔اس کے بعد اٹھ کر جامعہ کے باہر دکان سے خود جاکر گھر کے لئے دودھ خریدتے، طلبہ نے بارہا درخواست کی کہ یہ خدمت ہمارے سپرد ہو، لیکن حضرت استاذِ محترم نے یہ معمول جاری رکھا، شاید اس میں اتباعِ سنت مقصود تھی اور یہ تعلیم بھی کہ گھر کا سودا سلف خریدنے کے لئے خود بازار جانا کسی عالم اور مفتی کے لئے کوئی حقارت کی بات نہیں، بہرحال ان کی پوری زندگی جفاکشی سے عبارت تھی اور کسل مندی سے کوسوں دور تھے۔

حضرت شہید رحمہ اللہ کا ایک اہم وصف ان کی ''فقہی بصیرت'' تھا، فقہی مزاج اور مذاق ان کی رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا۔ اپنے بزرگوں سے سنا اور اصولِ افتاء کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ یہ چیز محض کثرتِ مطالعہ یا عبارات اور حوالہ جات یاد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ایک نعمتِ خداداد اور وہبی ملکہ ہے، جس میں محنت ومطالعہ کے ساتھ باطن کی صفائی اور تقویٰ وطہارت شرطِ اول کی حیثیت رکھتی ہے، جو محض ظاہری نصاب ونظام سے حاصل ہونے والی چیز نہیں، بلکہ اہل اللہ کی صحبت اور ذکر وفکر کے اہتمام کے ساتھ عرصہ دراز تک محنت ومجاہدہ کی چکی میں پسنے کے بعد یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔ حضرت استاذِ محترم ایک علمی اور روحانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، پھر مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ اور مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ جیسے فقہی ملکہ رکھنے والوں کے صحبت یافتہ تھے، نیز کئی دہائیوں سے فقہ وفتویٰ کے میدان سے وابستہ تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس علم میں خاص مہارت عطا فرمارکھی تھی۔ دورِ حاضر کے اکابر مفتیانِ کرام ان کی اس خوبی کا برملا اعتراف فرماتے تھے اور دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، جس کی مرکزیت وعظمت علمی دنیا ہی میں نہیں، عوام وخواص کے مختلف طبقات میں مسلم ہے، حضرت رحمہ اللہ اس میں ایک اہم ذمہ داری پر فائز تھے اور حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ کی وطن واپسی کے بعد عملی طور پر وہی دارالافتاء کے رئیس تھے۔ ان کی رائے بہت وزنی اور مدلل ہوتی تھی، مشکل وپیچیدہ مسائل میں دیگر اساتذہ ومفتیانِ کرام انہی کی طرف رجوع فرماتے تھے اور فتاویٰ کی آخری تصحیح بھی استاذِ محترم کے سپرد تھی۔ ان تک پہنچنے سے قبل فتویٰ تحقیق ومطالعہ کے ایک مرحلہ سے گزر چکا ہوتا، لیکن اس کے باوجود بعض اوقات کوئی ایسا باریک نکتہ نکال لیتے تھے کہ ان کی فقاہت کی داد دینی پڑتی تھی، بسا اوقات صرف ایک لفظ بدلنے کا حکم فرماتے لیکن اس ایک لفظ کی تبدیلی سے بھی فتویٰ کا تعبیری اور تشریحی رخ ہی بدل جاتا تھا، فتویٰ کی نوک پلک سنوارنے اور ''تشــقیــق'' سے اجتناب کی ہدایت فرماتے۔ ایسے فتاویٰ جن میں مزید تنقیح یا تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ان کو اپنے بائیں طرف رکھ دیتے، اس کے لئے ''کسٹم'' کی اصطلاح اراکینِ دارالافتاء اور متخصصین میں مشہور ہے۔ حضرت استاذِ محترم کے فتویٰ روکنے کی اطلاع جب متخصص کو

ملتی تو وہ سوچ بچار میں پڑ جاتا کہ کہاں غلطی ہوئی؟ استاذ محترم طلب فرماتے اور غلطی پر متنبہ فرما کر اپنے سامنے اسی سے تبدیلی کرواتے، یوں متخصصین کی عملی تربیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ افتاء میں ان کا مسلک اعتدال کا تھا، افراط وتفریط اور تشدد یا مساہلت سے نفور تھا۔ دارالافتاء کے اصول وضوابط کا حد درجہ خیال فرماتے تھے۔ افتاء میں عرف سے واقفیت اور حالات زمانہ سے آگاہی بھی ایک اہم پہلو ہوتا ہے، حضرت شہید رحمہ اللہ اس سلسلہ میں بھی خصوصی درک رکھتے تھے، اور افتاء کے میدان سے متعلق نت نئی معلومات بہم رکھتے تھے۔ اسی طرح مختلف علاقوں کی رسوم ورواج سے واقف تھے اور ان چیزوں سے فتویٰ میں مدد لیتے تھے۔ جامعہ کے دارالافتاء کا جو مرتبہ ومقام ہے، اس کے پیش نظر دارالافتاء کی کوئی ذمہ داری شاخِ نازک کی حیثیت رکھتی ہے، حضرت استاذ محترم رحمہ اللہ نے دارالافتاء کی رکنیت کو امانت خداوندی سمجھ کر گزشتہ تقریباً سترہ برس سے پوری جانفشانی و جانگدازی کے ساتھ اپنا بھرپور حصہ ڈالا ہے۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کے اس شعبہ کو اپنے خصائص وامتیازات کے ساتھ یوں ہی قائم دائم رکھے۔ آمین!

فقہ وفتویٰ کی طرح تدریسی میدان میں بھی حضرت دین پوری رحمہ اللہ کا نمایاں مقام تھا۔ راقم الحروف کو حضرتؒ سے ہدایہ ثالث کا کچھ حصہ، ترمذی جلد ثانی، شمائلِ ترمذی، ردالمحتار اور شرح عقود رسم المفتی پڑھنے کا موقع ملا۔ فقہ تو حضرت کا اختصاصی مضمون تھا اور ہدایہ ثالث انہوں نے کافی عرصہ پڑھائی ہے، اس لئے ہدایہ میں وہ ابواب کے اصول بتلا کر اس کے تحت آنے والی جزئیات روانی سے بتاتے اور عبارت حل کرواتے جاتے اور اس طرح طلبہ کی فقہی تربیت فرماتے تھے۔ جزئیات کی بجائے ہر باب کے کلیات اور اصول کی طرف رہنمائی کرنا ہدایہ کے طلبہ میں فقہی مزاج پیدا کرنے کا ایک بہترین وقابلِ تقلید طریقہ ہے، اس لئے کہ کثرت کی بنا پر جزئیات ہاتھ نہیں آتیں اور ان کا استحضار نہیں ہو پاتا، اگرچہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی نظر میں جزئیات کی بجائے قواعد پر انحصار سے فقہ میں رسوخ پیدا نہیں ہوتا۔ (ملفوظات کشمیریؒ، ص:۲۵۹، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ) لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ طبائع میں جو تکاسل چھا گیا ہے، اس کی بنا پر یہی صورت زیادہ مفید معلوم ہوتی ہے۔

یہ چند نمایاں اوصاف تھے جو بندہ کی کوتاہ نظر میں ممتاز اور لائقِ تقلید ہیں۔ تمام اوصاف و کمالات کا احاطہ مقصود ہے، نہ اس کی استطاعت۔ حضرت استاذِ محترم کی شہادت ان کے لئے تو باعثِ شرف ہے، بلکہ ان کی آرزو کی تکمیل ہے، لیکن رونا یہ ہے کہ ایسی شخصیات برسہا برس کی محنتوں کے بعد تیار ہوتی ہیں اور جب وہ اٹھتی ہیں تو اپنے پیچھے ایسا خلا چھوڑ جاتی ہیں، جس کے پر ہونے کا دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ایسی صورتِ حال میں موجودہ اکابر کی حفاظت اور درازیٔ عمر کی دعاؤں کے ساتھ ان کے وجود سے جو علمی وروحانی استفادہ ممکن ہو، اس میں کوتاہی برتنا کفرانِ نعمت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے۔ آمین!